# برصغیر میں شیعت کا وُرُود

جمیل یوسفزئی*

*The article is related with the emergence and evolution of the Shia sect in the Indian subcontinent. The paper looked at the matter in historical perspective discussing the infiltration of the early Muslim conquerors that started from the period of Hazrat Usman, the third caliph. There were Shia preachers who came along with these conquerors and settled in India. They propagated their sect in different parts of the subcontinent. The region from which the Shia sect came to India was Yemen. The study focuses on the patterns, teachings and ideas of different Shia preachers who played significant roles in the introduction and expansion of the Shia sect. The circumstances that witnessed the extension of Shiaism in the north-western border have also been dealt in detail in the article. At the end the paper briefly explains the role of the anti-Shia Ulema in opposing the expansion of the sect in various areas.*

## پہلا حصہ

برصغیر پاک و ہند میں اہل تشیع کی آبادی کروڑوں میں ہے۔ شمال مغربی درّوں سے جتنے فاتحین اور حملہ آور آئے ہیں وہ تقریباً سب کے سب سنّی مسلک کے متبعین تھے۔ اِس بڑی آبادی کو دیکھ کر معاً یہ سوال ذہن کے پردے پر اُبھرتا ہے کہ شیعت کا آغاز برصغیر میں کب اور کیسے ہوا؟ زیر نظر مقالہ میں ہم ان سوالات کے جوابات ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔

ہندوستان پر سب سے پہلا حملہ یا مہم جوئی حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوئی۔ یہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ تھے، جو بنی ثقیف سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے بھائی کا نام حکم تھا، جو

---

* شعبہ اُردو، گورنمنٹ ڈگری کالج شیوا، صوابی، خیبر پختونخوا۔

۱۵ھ میں ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے تھانہ (ممبئی) کو فتح کیا۔[۱]

ابن خردازبہ نے قیقان (قلات) بند (بنوں) مید (قندھار) اور بروص (بھڑوچ) کو بلاد سندھ میں شمار کیا ہے۔[۲]

حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں خراسان کے راستے کابل کے دتابلہ (دتبیل کی جمع) پر حملہ ہوا، لیکن یہ مہم بحثیت مجموعی ناکام رہی۔

یہ مہمات قرنِ اول کے سنّی خلفاء کے زمانے میں ہوئیں۔ ان مہمات کے بعد سندھ پر حجاج بن یوسف کے داماد محمد بن قاسم نے کامیاب یورش کی۔ حجاج بن یوسف شیعوں اور علویوں کے جانی دشمن تھے۔ خلیفہ سلیمان نے محمد بن قاسم کو واپس بلوایا۔ پھر خلفاء بنی عباس کے زمانے میں سندھ کا رشتہ سلطنت عباسیہ سے ٹوٹ گیا اور یہاں مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں۔ بنی عباس کی سلطنت کا سب سے اہم داعی اور سپہ سالار ابو مسلم خراسانی تھا، جو نو مسلم تھا اور بقول مشہور مؤرخ حِتّی، وہ شیعہ تھا اور اسلام کے پردے میں عجمیت (ایرانی وطن پرستی) کی تحریک کو پھر سے زندہ کر رہا تھا۔[۳]

امام جعفر صادقؒ کے غلام میمون القداح کے پوتوں نے مصر میں بنو فاطمین کی حکومت قائم کی۔ یہ حکومت مراکش سے لے کر یمن تک پھیلی ہوئی تھی۔ امام حسین مستور نے داعی ابو القاسم بن قوح بن حوشب کو ۲۶۸ھ میں عدن (یمن) بھیج دیا۔ ابو القاسم سے پہلے یمن میں شیعوں کا داعی احمد بن خلیغ تھا۔ ابوالقاسم نے احمد بن خلیغ کی بیٹی سے شادی کی اور یمن کو مرکز بنا کر، اطراف و جوانب میں دُعاۃ بھیجے۔ ابوالقاسم نے احمد بن خلیغ کے بھتیجے ہشیم کو بلاد سندھ میں بغرض تبلیغ بھیجا۔ ہشیم اپنے تبلیغی مقاصد میں کامیاب رہا۔ بالآخر اس نے ۲۷۰ ھ میں، ملتان میں قرامطہ حکومت کی بنیاد رکھی۔[۴] اس کے بعد خلیفہ مُعز فاطمی نے ایک اور مشہور داعی حلہ بن شعبان کو دہلی کی طرف روانہ کیا۔ ہستناپور (دہلی) کا راجہ اور دیگر بہت سے باشندے داعیٔ مذکور کے ہاتھوں مسلمان (شیعہ) بن گئے۔[۵] تا آنکہ محمود غزنوی کے ہاتھوں ملتان کی حکومت کا چراغ گل ہوگیا۔ محمود غزنوی نے یہ حملہ ۳۹۶ھ میں کیا تھا۔ محمود پکا سنّی تھا اس نے اسماعیلیوں کو چن چن کر قتل کیا۔[۶]

شیخ حمید لودھی کا بھتیجا، شیخ رضی لودھی تھا۔ شیخ حمید لودھی نے ملتان کی حکومت حاصل کی تو افغانوں کی طرف اسماعیلی داعی بھیجے۔ (واضح رہے کہ افغان اس زمانے میں سب کے سب مسلمان نہیں

تھے) اُن دُعاۃ میں شیخ نصر لودھی بھی تھا۔ جس نے دو سال افغان قبائل کے درمیان شیعت کی تبلیغ کی۔ شیخ حمید کے بعد شیخ نصر بر سر اقتدار آیا..... شیخ رضی لودھی نے اپنے بھائی (چچیرا) کو پشتو ابیات میں سرزنش کی کہ تم نے اپنا دین چھوڑ کر دین قرامطہ اختیار کیا۔ شیخ نصر نے اس کے خط کا جواب اشعار کی شکل میں دیا، جو پشتو کی مشہور کتاب پٹہ خزانہ (گنجینۂ مخفی) میں موجود ہے۔[۷]

پٹہ خزانہ، پشتون مؤرخین کے نزدیک متنازعہ ہے۔ بہر حال ملتان میں قرامطہ کی حکومت اور محمود غزنوی کی ترکتازیں، تاریخ کا معتبر حصہ ہیں۔

اِن معروضات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ پشتونوں میں شیعت کا ورود، ملتان اور بنوں کے راستے سے ہوا۔ سب سے پہلے لودھیوں نے دعوتِ شیعت قبول کی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ دیگر قبائل میں بھی یہیں سے مذہب تشیع کی جڑیں پھیلیں۔

دولت غزنویہ کے زوال کے بعد مستنصر فاطمی نے تین اور داعی ہندوستان بھیجے۔ اب کے بار وہ کھمبایت کے مضافات میں اپنے مذہب کی روشنی پھیلانے میں مصروف ہو گئے۔[۸]

محمود غزنوی کے حملے اگر ایک طرف ہندو شاہیہ کے استیصال پر مرتکز تھے، تو دوسری طرف ان کی شمشیر بُراں فرقہ باطنیہ پر برق خاطف کی طرح پڑ رہی تھی۔ ملتان میں پشتونوں کی حکومت کے خاتمہ کے علاوہ کوہستان، کرم اور تیراہ پر ان کی ترکتازیں تاریخ کا حصہ ہیں۔ سوات اور باجوڑ کے علاقے اگرچہ ہندو شاہیہ کے زیر اثر تھے، مگر مذکورہ خطوں میں ہندوؤں کے سوا، پشتونوں اور دلازاکوں کی آبادیاں بھی تھیں۔

شیعت کا اثر ملتان سے لے کر کابل اور سوات تک سرایت کر چکا تھا۔ بقول اخون درویزہ خطہ سوات میں سید جلال الدین گنج بُخاری کے علاوہ اہل سنت والجماعت کا اور کوئی مُستند عالم نہیں گزرا ہے۔ البتہ مولوی، مُلا قسم کے لوگ ہر جگہ موجود تھے، جن میں زیادہ تعداد روافض کی تھی.... سید جلال گنج بخاری کا سن شہادت ۳۸۶ھ ہے۔[۹] خاندان غزنویہ کے بعد طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ کابل اور قندہار کو چھوڑ کر پشتون قبائل اپنے اپنے سرداروں کے ماتحت زندگی گزار رہے تھے.... ان لوگوں کا کام وسط ایشیا کے سلاطین کی کمک اور جاب (فائدہ پہنچانے والا متفرق کام) منفعت رہ گیا تھا۔ انہیں میں سے کچھ لوگ گنگا جمنا کے میدانوں میں آباد ہو گئے، جہاں انہوں نے پٹھان حکومتیں بنائیں۔

چنانچہ خلجیوں اور بعد ازاں لودھیوں کی حکومتیں وہیں بنیں۔ تا آنکہ ظہیر الدین محمد بابر نے وسط ایشیا کی ناکامیوں سے تنگ آ کر ہندوستان کا رخ کیا۔

محمود غزنوی، شہاب الدین غوری اور بابر چغتائی کٹر سُنی العقیدہ مسلمان تھے۔ محمود غزنوی اور بابر نے حتی الوسع شیعت کے استیصال میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ تاہم مؤخرالذکر کا دورِ حکومت ہندوستان میں وسیع المشرب کا رنگ لیے ہوئے تھا۔

مُلتان کے مساجد و منابر فرقہ قرامطہ کے خطبات سے گونج رہے تھے، جن کی روحانی غذا مصر کے فاطمین سے مل رہی تھی۔ مصر سے لے کر عمان اور یمن تک اور یمن سے لے کر ملتان اور کابل تک فاطمین مصر کی جڑیں پھیلی ہوئی تھیں۔[۱۰]

حضرت اخوند درویزہ نے باوجود دشمنی شیعت کے، بادشاہ ہمایوں کے لیے چوڑے القاب اپنی کتاب میں لکھے ہیں۔ مثلاً سلطان سلاطین زمان فخر الدوران لایزال مغفور بغفران اللہ سلطان ارجمند ہمایوں بادشاہ۔[۱۱]

امیر تیمور کے لیے بھی شیخ الافاغنہ اخونددرویزہ نے بہترین الفاظ کا چناؤ کیا ہے۔ مثلاً ''چون حکومت دودمان عالیشان، میر کبیر امیر تیمور بدین حدود رسید''[۱۲]

ظہیر الدین محمد بابر نے شہباز گڑھی کے مقام پر شہباز قلندر کا مقبرہ منہدم کروادیا تھا۔ تزک بابری میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ شیخ الافاغنہ اخوند درویزہ کے دور میں یہ مقبرہ آباد تھا، اس لیے انہوں نے حکام عہد سے تمنا کی کہ اس مقبرہ کو تاخت و تاراج کیا جائے، اُمید از حکام عظام کہ نگاہبانانِ دین محمدﷺ آمدہ اند، آنکہ استخوان بی ایمان رافضی رانیزاز مقبرہ، خبیثہ بدرآرند۔[۱۳]

## دوسرا حصہ

حصہ اوّل میں ہم نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ کس طرح فرقہ باطنیہ کی دعوت یمن سے ہندوستان میں آئی۔ شاہان سلاجقہ کس طرح فرقہ باطنیہ سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ نظام الملک طوسی کے وزیر کا قتل شیخ الجبال کے حکم سے ہوا۔ مسلم دنیا کو تو چھوڑیئے، یورپ کے بڑے بڑے بادشاہ، شیخ الجبال (قلعہ التموت) کو تحائف بھیجتے رہے تا کہ ان کی جان سلامت رہے( تفصیل کے لیے دیکھئے مولانا آزاد کی غبار خاطر)۔

امام رازی سے شیخ الجبال نے توبہ کروائی تھی۔ اِنہی فدائین کے ہاتھوں سلطان شہاب الدین محمد غوری جہلم کے قریب دمیک میں شہید ہوئے۔ یہ ۱۱۹۲ء بمطابق ۶۰۲ھ کا واقعہ ہے۔ ایک حدیث کی رُو سے قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ایک نشانی تھی، کیونکہ قیامت کی نشانی کے الفاظ یہ تھے۔

ستکون علے راس ستمائۃِ اوشئي

''چھ سو ہجری کے سرے پر، یا اس سے کچھ زائد عرصہ''

۶۰۲ھ ایک طرف اگر محمد غوری کی سالِ شہادت ہے تو دوسری طرف انہی سالوں میں فتنۂ تاتار کا ظہور ہوا۔[۱۵] محمد غوری کے بعد ہندوستان کے تخت پر خاندانِ غلامان، خلجیوں، تغلقوں اور سادات کی حکومتیں رہیں۔ یہ لوگ تقریباً تمام سنّی العقیدہ تھے، مگر ان حکومتوں کے دوران برابر شیعہ حضرات اپنی تبلیغ و دعوت میں منہمک رہے۔ تیمور لنگ اور اس کا خاندان شیعوں کا دشمن تھا۔ انہیں تاتاریوں نے چُن چُن کر فرقہ باطنیہ کے شیوخ و عظام کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ ہلاکو خان نے آخری شیخ الجبال کی فردوس بریں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ وہ قلعہ التموت (Eagle Nest) تباہ و برباد ہوگیا۔ جہاں فدائین تیار کیے جاتے تھے۔ مارکوپولو نے اپنے اسفار میں التموت کے حالات بڑی وضاحت سے لکھے ہیں۔ علامہ اقبال نے شیخ الجبال کو *ساحر السوط* کہا ہے۔

## پختونخواہ میں شیعت کا فروغ

پچھلے حصے میں ہم تصریح کر چکے ہیں کہ شیخ حمید لودھی کیسے قرمطی بن گئے؟ اور پھر اس نے مسلک قرمطیہ کو بلادافاغنہ میں کیسے پھیلایا۔ یہ جنوب کی طرف سے دُعاۃِ قرامطہ کی یورش تھی۔ ایران میں شاہ اسماعیل صفوی کے برسرِ اقتدار آتے ہی شیعت کو سرکاری مذہب کا درجہ ملا۔ شیعہ (دوازدہ) اماموں کو مانتے ہیں، جبکہ اسماعیلی فرقہ سات اماموں کو مانتا ہے۔ اس لیے اول الذکر اثنا عشریہ اور مؤخر الذکر سبعیہ کہلاتا ہے۔ شاہ اسماعیل صفوی نے بزورِ شمشیر مذہب اثنا عشریہ نافذ کروایا۔ اس ظلم وجبر سے تنگ آ کر اس ملک کو مذہب ناحق کہا گیا۔ داروگیر سے بچنے کی خاطر میر علاؤالدین قذوینی نے بادشاہ کے حکام سے کہا کہ میں نے کہا تھا ''مذھبنا حق'' اصل ''مذہب ناحق'' اسمٰعیل صفوی کی تحریک شیعت کی تاریخ ابجدی ہے۔ص ۸۰۹ھ ش برآمد ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو *مقالات شیرانی* جلد ۵۔

شیبانی خان اور عباس صفوی کا ہمعصر ظہیرالدین محمد بابر سنی العقیدہ، طالع آزما تھا۔ وسطِ ایشیا

میں مسلسل ناکامیوں سے تنگ آ کر اس نے کابل اور جبالِ روہ میں قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا۔ یہ ترکتازیں ۱۵۰۰ء سے ۱۵۲۴ء تک جاری رہیں۔ اس زمانے میں، سوات اور باجوڑ کے حاکم شیعہ مسلک کے پیروکار تھے۔ رعایا میں ہندو، گوجر اور پختون تھے۔ حاکموں کی زبان فارسی تھی جبکہ عوام کی زبان گبری (ہندی) تھی....واضح رہے کہ ان ایام میں یوسفزئی قبیلہ مردان اور صوابی پر قابض ہونے کے بعد، سوات میں اپنے قدم جما چکا تھا۔ یوسفزئی قبیلہ کا اُلوالعزم سردار ملک احمد تھا۔ ملک احمد سنی العقیدہ پختون تھا۔ لیکن مصالح قومی کی خاطر، انہوں نے اپنی بہن کی شادی سلطانِ سوات سے کروادی۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سنی اور شیعہ فرقوں کے درمیان ہم آہنگی اور برادرانہ تعلقات تھے۔ ملک احمد وسیع المشرب سردار تھے لیکن بابر غالی سُنّی تھا۔

ظہیر الدین محمد بابر ۹۱۰ھ میں کابل پر قابض ہوگیا۔ ہندوستان پر حملہ کرنے کی غرض سے اُس نے گرد و پیش کے قبائل کو دبانے کی خاطر، سوات، باجوڑ، مردان اور صوابی پر کئی یورشیں کیں۔ تزک بابری ان مہمات کی تفصیلات و جزئیات کا حسین مرقع ہے۔

علاقہ باجوڑ پر اُس زمانے میں میر حیدر علی کی حکومت تھی۔ میر حیدر علی کے چند اعزہ اس سے ناراض ہو کر بابر کے دربار میں پہنچے۔ بابر موقع کی تاک میں تھا۔ اُس نے باجوڑ پر حملہ کیا۔ گبریوں نے باجوڑ میں سخت مزاحمت کی، مگر بابر کی بندوقوں سے خوفزدہ ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔ بابر نے بے دریغ قتل عام کیا۔ میر حیدر علی نے قتل ہونے سے بچنے کی خاطر زہر کھا کر خودکشی کی۔ بابر نے کلہ مینار بنا کر جام پر جام لنڈھائے۔[۱۶] ۳۰۰۰ گبری قتل ہوئے۔ (بحوالہ اعتزاز احسن)۔

سوات کا حاکم سلطان اویس تھا، جو ملک احمد کا بہنوئی تھا۔ ریاست سوات کا گرمائی صدر مقام منگلور اور سرمائی پایۂ تخت قصبہ تھانہ تھا۔ علاوہ ازیں، اس کی حکومت چارسدہ اور مردان تک قائم تھی۔ مشہور گاؤں سرائے بہلول (جہاں بدھ مت کے کھنڈرات ہیں۔ یہ موضع مردان شہر سے سات کلومیٹر، شاہراہِ سوات پر واقع ہے) میں سلطان اویس کا مضبوط قلعہ تھا، جسے بابر کے آنے سے پہلے یوسفزئی پختونوں نے فتح کیا تھا۔

الغرض مہم باجوڑ سے فارغ ہو کر بابر براستہ تیمرگرہ، سوات کی وادیوں میں گھس گیا۔ صدر مقام منگلور کا محاصرہ کئی روز تک جاری رہا۔ مگر قلعہ بلند وبالا اور ناقابل تسخیر سمجھ کر بابر بادشاہ براستہ دمغار و تالاش واپس ہوا۔ مخفی نہ رہے کہ بابر بادشاہ نے ملک شاہ منصور کی بیٹی کا رشتہ مانگا۔ صلاح و مشاورت

کے بعد ملک احمد نے یہ رشتہ منظور کیا، کیونکہ فریقین اس رشتے سے ملکی مفاد وابستہ سمجھتے تھے۔ بابر کے لوٹنے کے بعد یوسفزئیوں کے لیے رستہ صاف ہو گیا۔ اگرچہ یوسفزئی قبیلہ سوات زیریں پر قابض تھا۔ بابر کی یورش کے وقت یوسفزئی کوہ مہورا میں محفوظ و مامون، حالات پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ جونہی بابر رخصت ہوا وہ پہاڑوں سے اُتر کر سرسبز وادیوں میں آ بسے۔ سلطان اویس یوسفزئیوں کو خطرہ سمجھ رہا تھا، لہٰذا اُس نے بڑی سفاکی سے اپنی بیوی (ملک احمد کی بہن) کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ملک احمد زہر کے گھونٹ پی کر چپ رہا۔ یوسفزئیوں نے سلطان اویس سے اس کا سرمائی صدر مقام تھانہ چھین لیا تھا۔ بعد ازاں سوات بالا کا رُخ کر کے یوسفزئی سُورماؤں نے منگلور کو فتح کیا۔ سُلطان اویس نے بصد حسرت و حرماں منگلور چھوڑا کر پہاڑی راستے سے دِیر کا رخ کیا۔ دیر بالا میں درہ نہاگ کے اندر ایک قلعہ بنوایا، اس کا نام لاہور رکھا، بعد میں وہ وہیں مر گیا۔ اس کے دو بیٹے قزان شاہ اور فیروز شاہ تھے۔ قزان شاہ کو عید نوروز کے موقع پر یوسفزئی حملہ آوروں نے قتل کیا۔ اِنہی دنوں خان گجو یوسفزئیوں کا سردار تھا۔ قزان شاہ کا سر اُسے شیخ تپور کی مہم کے دوران پیش ہوا۔ جسے فالِ مبارک سمجھ کر وہ میدان جنگ میں کودا۔ ۱۷

ظہیرالدین بابر نے ہندوستان کے پٹھانوں کو شکست دی، مگر اس کی موت کے بعد شیر شاہ سوری نے نصیرالدین ہمایوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ وہ مصائب و آلام سے ہوتا ہوا ایران پہنچا۔ وہاں کئی سال تک رہا۔ عباس صفوی نے اُسے شیعت قبول کرنے کی دعوت دی۔ شیعت کے سوا کئی دیگر شرائط کے ساتھ عباس صفوی نے اُسے لشکر فراہم کیا کہ وہ اپنے بھائی سے کابل واگزار کرا سکے۔ ہمایوں بادشاہ کے ساتھ اثنا عشری لشکر آیا۔ اسی لشکر کے بل پر اُس نے کابل کی حکومت حاصل کی۔

واضح رہے کہ سید علی ترمذی المعروف پیر بابا کے والد قمر علی ہمایوں کے دوست اور رشتہ دار تھے۔ ہمایوں کے فرار کے وقت وہ اس کے ساتھ تھے۔ انہیں دنوں پیر بابا تحصیل علم میں جُتے ہوئے تھے۔ باپ بیٹے کی ملاقات پنجاب میں ہوئی۔ والد صاحب سید قمر علی نے انہیں اشرفیوں کا ایک بدرہ دیا، جسے بعد ازاں شیر شاہ کی سپاہ نے ان سے چھین لیا۔

حضرت پیر بابا کے والد ماجد درباری آدمی تھے۔ انہیں دربار مغلیہ سے امیر نظر بہادر کا خطاب ملا تھا۔ ہمایوں کے فرار میں وہ اس کے ساتھ رہا۔ قصبہ گجرات میں قمر علی اور اس کے درویش بیٹے سید علی ترمذی کی ملاقات ہوئی۔ بیٹے کو آسودہ اور مطمئن دیکھ کر سید قمر علی نے فرمایا... ہم تو دنیا کی

آلائشوں میں گھِر گئے، تم نے اچھا کیا اپنے آباء و اجداد کی راہ اپنا لی...اس ملاقات کے بعد، پھر دونوں کبھی نہ مل سکے۔ شاید قمر علی کی وفات ایران میں ہوئی ہو کیونکہ ہمایوں کے دوبارہ ورود کے بعد ہمیں ان کا کردار کہیں نظر نہیں آیا۔[18]

## تیسرا حصہ

### استیصال کا زمانہ

پچھلے حصے میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ کس طرح قرامطہ کے دُعاۃ، مصر سے ہو کر یمن آئے اور پھر یمن سے ملتان اور کوہستان افاغنہ تک پہنچے۔

محمود غزنوی سیدھے سادے ترک اور سُنّی العقیدہ بادشاہ تھے۔ تاہم وہ قرامطہ اور اہل تشیع کے جانی دشمن تھے۔ چنانچہ ملتان پر حملے کا ایک جواز وہاں کے ملحدین کی بیخ کنی تھا۔ شیخ حمید لودھی کے بعد ابوالفتح برسرِ اقتدار آیا۔ کچھ عرصے تک وہ حسب سابق، محمود غزنوی کا حلقہ بگوش رہا، لیکن بقول محمد قاسم، *تاریخ فرشتہ* وہ مذہب کے ساتھ حقوق العباد اور خدمت سے بھی منہ پھیر بیٹھا۔ سلطان نے اچانک حملہ کر کے اُسے مفتوح و مغلوب کیا۔ ملکی امور کی مصلحت کے پیش نظر، سلطان نے اُسے باج گذار کی حیثیت سے برقرار رکھا۔ یہ واقعات ۳۹۶ھ میں پیش آئے تھے۔[19] کچھ عرصہ بعد سلطان نے دوبارہ ملتان کا رخ کیا۔ قرامطہ کو تاخت و تاراج کیا۔ داود بن نصر اسماعیلی کو گرفتار کر کے غزنی لے گیا جہاں وہ بحالت گرفتاری اپنے انجام کو پہنچا۔[20]

سلطان محمود کے زمانے میں قرامطہ و اہل تشیع کا پیچھا جاری رہا۔ درباری بھی سلطان کے مزاج شناس تھے۔ امراء کی سازشیں جاری تھیں۔ بہت سے لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ محمود کو ہوس زر و مال بلا شبہ زیادہ تھا، یہاں تک کہ ابن اثیر جیسے شخص کو کہنا پڑا: **ولم یکن فیہ ما یعاب الا انّہ کان یتوصل الیٰ اخذ الاموال بکل طریق** یعنی سلطان میں کوئی عیب نہیں تھا، بجز اس کے کہ وہ مال و زر ہر طریقے سے چھین لیتا تھا۔[21] *تاریخ فرشتہ* میں نیشا پور کے ایک متمول شخص کے متعلق لکھا ہے کہ سلطان نے اپنے دربار میں اُسے بلوایا، اور سر دربار اُس پر قرمطی ہونے کا الزام لگایا۔ رئیس مذکور نے الحاد کا انکار کرتے ہوئے کہا: نہ میں قرمطی ہوں، نہ شیعہ، نہ ملحد، اگر سلطان نے میرا مال لینا ہے تو وہ حاضر ہے۔ سلطان نے اس کے تمام اموال سرکاری خزانے میں جمع کروائے اور اُسے پروانہ امن عطا کیا۔[22]

سلاطین کے جبر و تعدی کے باوجود، دُعاۃ اپنی دعوت و تبلیغ میں منہمک رہے۔ سلطان محمود نے ۴۱۲ھ میں ایک مہم ایران کی سرحدوں کی طرف بھیجی، کیونکہ وہاں کے بدویوں کے ہاتھوں حجاج کرام کے راستے بند پڑے تھے۔ محمود کے سپہ سالار نے بدوی قرامطہ کے سردار حماد بن علی کا قلع قمع کیا اور شاہراہِ مکہ کو محفوظ و مامون کر دیا۔[۲۳]

سلطان مسعود کے زمانے میں بھی فتویٰ بازی اور فتویٰ سازی کا بازار گرم رہا۔ چنانچہ سلطان مسعود نے احمد حسین جیسے امیر پر قرمطی ہونے کا الزام دھرا اور اُسے سلطنت مصری کا وفادار بتا کر قتل کروا دیا۔[۲۴]

کوہستانِ روہ سے آگے ہندوستان تک فرقہ اسماعیلیہ کا اثر و نفوذ جاری رہا۔ چنانچہ خاندان غلامان کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے۔

التمش عبادات مذہبی و فرائض دین کا بڑی سختی سے پابند تھا۔ ہر جمعہ کو وہ جامع مسجد میں نماز ادا کرتا تھا۔ چنانچہ مُلحدین نے انہیں حالت نماز میں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ان ملاحد (ملحد کی جمع) کا سردار مسمّٰی نور تھا۔ ملحدین نے حملہ کر کے بہت سے نمازیوں کو شہید کر دیا، مگر سلطان التمش خدا کے فضل و کرم سے محفوظ رہا۔[۲۵]

قاسم فرشتہ نے اہل تشیع و قرامطہ کو ہمیشہ ملحدین کے نام سے یاد کیا ہے۔ جامع مسجد دہلی کے اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ (ملاحدہ) دارالسلطنت میں کتنے با اثر و باثروت تھے۔

سلطان محمود کے زمانے کا مشہور شاعر فردوسی اہل تشیع میں سے تھا۔ شاید سلطان کی سخت گیری کی وجہ سے وہ سلطان سے آزردہ رہا۔ سلاطین غزنوی کے سوا، عموماً دیگر بادشاہان ہند بھی ہمیشہ اہل تشیع سے نرمی برتتے رہے۔ عام اہل سنت والجماعت بھی ان لوگوں سے چشم پوشی کرتے رہے۔ چنانچہ مشہور شاعر حضرت شیخ سعدی نے فردوسی کو ''پاک زاد'' لکھا ہے۔ ظہیر الدین محمد بابر اگرچہ ترک اور سنی العقیدہ مسلمان تھا، مگر وہ شیعوں سے نرمی برتتا تھا۔ آگے ان کا ذکر آئے گا۔

سلاطین غزنہ کے زمانے میں سلجوق ترک برسر اقتدار آئے اور اسی زمانے میں کوہستان غور کی فرمان روائی کا آغاز ہوا۔ سلاطین غور کو پشتون مؤرخین نے افغان شمار کیا ہے۔ حالانکہ وہ نسلاً ایرانی تھے اور اہل بیت کرام کے متبعین تھے۔ بقول محمد قاسم، تاریخ فرشتہ تمام مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کوہستان غور کے لوگ خلیفہ چہارم کے زمانے میں مسلمان ہوئے۔ اور اپنے جدّ شنسب کی وجہ

سے آل شنسب کہلائے۔مشہور فارسی شاعر انوری نے سلاطین غور کو آل داؤد بتایا ہے۔

رونق ملک سلیمان پیمبردارد، عرق سلطان چہ عجب کزنسیب داوداست۔[۲۶] یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ شنسب کا شجرہ نسب حضرت داؤد سے ہو۔ بہر حال فی الوقت ہمیں ان کے حُب علیؓ سے مطلب ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے بتاتا چلوں کہ انوری کو قاضی نور اللہ شوستری نے شیعہ لکھا ہے۔

محمد قاسم فرشتہ آگے لکھتا ہے کہ بنی امیہ کے زمانے میں جب کہ اولاد علیؓ پر تبریٰ بازی جاری تھی، آل شنسب نے ہمیشہ اس امرِمکروہ سے اجتناب برتا۔ اور جب ابو مسلم مروزی نے دشمنانِ اہل بیت پر خروج کیا تو فولاد شنسی نے اس کا بھرپور ساتھ دیا اور دشمنانِ اہل بیت کی بربادی و تاراجی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔جب سلطان محمود نے غورستان کو تباہ و برباد کیا تو آل شنسب میں سے ابوعلی کو امور مملکت سونپ دیئے۔[۲۷] شہاب الدین غوری نے ۵۷۲ھ میں ملتان کو ایک مرتبہ پھر قرامطہ کے قبضے سے چھڑایا۔

صوفیاء کرام کا کردار اشاعتِ دین کے سلسلے میں ہمیشہ قابل ستائش رہا ہے۔ چنانچہ محمود غزنوی اور مسعود غزنوی خود صوفیاء کرام کی خانقاہوں میں حاضر ہونا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ شیخ ابو الحسن خرقانی سے ملاقات کا واقعہ عموماً تواریخ میں دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔مسعود غزنوی کے زمانے میں داتا گنج بخش لاہور کے مشائخ عظام میں سے تھے، ان کی تصنیف ''کشف المحجوب'' میں بعض روایات سنی العقیدہ مسلمانوں کی نظروں میں مشکوک اور ساقط الاعتبار ہیں۔ ازاں جملہ حضرت داود علیہ السلام اور ان کے دوست اوریاؑ کا قصہ ہے۔ حضرت اخوند درویزہؒ نے *تفسیر کشاف* و *تفسیر ایجاز* کے ساتھ ''کشف المحجوب'' اور *فوائد الفواد*، کو بھی ساقط الاعتبار کہا ہے۔*فوائد الفواد* شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔[۲۸]

غیاث الدین بلبن بڑے رعب داب والے بادشاہ تھا۔ اس کے زمانے میں تاتاریوں نے شورش مچا رکھی تھی، لیکن اس کی خوش انتظامی کی وجہ سے ہندوستان بچا رہا۔سخت گیری اور درشتی کے ساتھ ساتھ وہ حد درجہ سخی اور مہمان نواز تھا۔ اس کے زمانے میں ایران و خراسان کے سینکڑوں علماء اور فضلا نے دہلی میں پناہ لی۔ چنانچہ مختلف الاقوام و مختلف المذاہب لوگوں کے لیے اس نے ۱۵ محلے بسائے، جن میں محلہ بن عباس اور محلہ علوی قابل ذکر ہیں۔ یہ فیاض دِل حکمران تعصب اور تنگ نظری

سے کوسوں دور تھا۔ ہر کسی کو اپنے مسلک و مذہب کے موافق عبادت کرنے کا اختیار تھا۔ اسی حکمران کے دور میں نظام الدین اولیاء اور امیر خسرو کے علاوہ بھی شعراء و صوفیاء کا جمگھٹا رہتا تھا۔ بلبن خود رقص و سرود سے اکثر اعراض برتتا رہا، لیکن اس کے بیٹے سلطان محمد شہید کی شہرت چہار دانگ عالم میں زبان زدِ عام تھی۔ افسوس کہ یہ نادرِ روزگار شہزادہ تاتاریوں کے ہاتھوں شہید ہوا۔

## فرقہ اباحیہ کا استیصال

علاؤالدین خلجی مہمات دکن میں تین سال تک مصروف رہا۔ دارالسلطنت سے دور ہونے کی وجہ سے حاجی مولیٰ نامی ایک شخص نے خروج کیا۔ کوتوال اور دیگر امراء کو قتل کروا کر تختِ دہلی پر علوی نام کے ایک شخص کو متمکن کیا، لیکن علاؤالدین کے ایک جان نثار امیر نے، حاجی مولیٰ اور مسمیٰ علوی کو قتل کروا کے فتح نامہ کے ساتھ باغیوں کے سر علاؤالدین کی خدمت میں بھیج دیئے۔

علاؤالدین خلجی نے واپس آ کر فرقہ اباحیہ و ملاحدہ پر اچانک حملہ کرتے ہوئے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اور ان کے زن و فرزند کو اسیر بنا لیا۔

فرقہ اباحیہ کے عقائد عامۃ المسلمین سے مختلف تھے۔ ان کے ہاں عِلّت زن و شراب پائی جاتی تھی۔ نیز اعراس و تقاریب میں مخلوط مجالس ہوتی تھیں۔

محمود غزنوی اور مسعود غزنوی نے ملتان کے پشتون امراء کے خلاف لڑائیاں لڑی تھیں۔ ملتان کے پشتون امراء لودھی تھے ۔ لودھی پشتون، پشتونوں کا سب سے بڑا قبیلہ خیال کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خلجی پشتون بھی لودھیوں ہی کی ایک شاخ ہیں۔ ہندوستان پر خلجی اور لودھی پٹھانوں کی حکومتیں رہی ہیں۔ حکمرانوں کے بعد سوری پٹھان ہندوستان کے تاج و تخت کے وارث ہوئے۔ سوری پٹھان بھی لودھیوں کے قرابت دار ہیں۔ پشتونوں میں سب سے پہلے لودھیوں نے قرامطہ کی دعوت پر لبیک کہا۔ چونکہ ملتان کے امراء کا افغانستان سے باقاعدہ رابطہ رہتا تھا اسی وجہ سے قرامطہ کا پیغام ان کے گھر گھر تک پہنچ گیا۔ ہند کے پٹھانوں میں بھی بہت سے لوگ شیعہ و قرامطہ تھے، مگر سب پُر امن رہے۔ ہندوستان کی مشرقی ریاستیں شیعہ ریاستیں تھیں، جو علم و فضل میں ہمیشہ پٹھانوں اور مغلوں کے لیے قابل رشک رہی ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ ان ریاستوں میں فارسی بانوں کے علاوہ پٹھانوں کی کثیر تعداد موجود تھی، جن میں کئی لوگ اختیار و اقتدار کے عہدوں پر فائز تھے۔

محمود غزنوی اور ان کے اسلاف کے بعد شیعہ سنی ہمیشہ امن و آشتی سے رہے، البتہ دورِ اکبری میں پشتونخواء خصوصاً سوات اور پشاور میں فتویٰ کا بازار از سرِ نو گرم ہو گیا۔ کفروارتداد کی اس گرم بازاری کی کئی وجوہات تھیں:

۱- کسی منظم ریاست کا نہ ہونا۔

۲- علم و ادب کی کمیابی۔

۳- ایرانی نژاد و نفوذ۔

۴- دُعاۃ قرامطہ کی جانباز کوششیں۔

دورِ مغلیہ کے آخر میں اورنگزیب عالمگیر کے سخت گیر سُنّی ہونے کی وجہ سے شیعہ سُنّی کے اختلافات کوشہہ ملنے لگی۔اورنگزیب کے متعدد امراء فرقہ شیعہ سے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی مذہب اثنا عشری کو فروغ ملنے لگا۔ علماء ایک دوسرے کے گلے پڑ گئے، شاہ ولی اللہ کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز نے *تحفۂ اثناءعشریہ* لکھی۔ برصغیر کے بڑے بڑے لوگ اثنا عشری تھے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سنیوں کے ہاں علم و فضل ناپید تھا۔ اردوزبان و ادب کے بڑے بڑے اساتذہ اور بے نظیر افراد اسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

اسی دور تشتت میں وہابیوں کا ظہور ہوا۔ سید احمد شہید اور ان کے متبعین نے کوہستان روہ میں اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی، جو بوجوہ ناکام رہی۔ اسی تحریک کے باقی ماندہ لوگ تحریکِ پاکستان تک سرگرم عمل رہے اور آج بھی کسی نہ کسی شکل میں ان کا وجود باقی ہے۔ سید علی ترمذی، سید قمر علی کے بیٹے تھے۔ سید قمر علی کو دربار مغلیہ سے خطاب ملا تھا۔ ان کی خاندان تیموریہ سے رشتہ داری تھی، مگر حضرت پیر بابا( سید علی ترمذی ) کا ضمیر مذہبی تھا۔ پیر بابا بچپن میں دنیاداری سے کنارہ کش تھے، ان کی پرورش ان کے دادا سید احمد نے کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے والد کے شیوۂ زندگی سے بیزار و نالاں تھے۔

حضرت اخوند درویزہ، سید علی ترمذی کے خلیفہ مجاز اور سنی العقیدہ سخت گیر عالم تھے۔ پیر بابا نے انہیں شیخ الافاغنہ کا لقب دیا تھا.... تقریباً اسی زمانہ میں، وزیرستان کے پیر روشان نے مدعیٔ الہام ہونے کا دعویٰ کیا۔ پیر روشان کا اپنا نام'بایزیدؔ' تھا۔ ان کے مریدوں نے انہیں روشان کہا، جس کے

جواب میں اخوند درویزہ نے اپنے استاد کے اشارے پر اُسے پیر تاریک کا لقب دیا۔ پیر روشان نے اکبر اعظم کے زمانے میں ایک کتاب لکھی، جو *خیرالبیان* کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اسی کتاب کے جواب میں اخوند درویزہ نے *مخزن* لکھی اور پھر زندگی کے آخری سالوں میں *تذکرۃ الابرار و الاشرار* لکھی۔ جس میں ملاحدہ کی تفاصیل جمع کی گئی ہیں۔

## مذہب تشیع کا شیوع

مرکزِ ایشیا میں کئی دوسری اقوام کے علاوہ ایک قابل ذکر قوم ازبک بھی ہے۔ پندرھویں صدی عیسوی میں ازبک قوم شیبانی خان کے جھنڈے تلے اکٹھی ہوگئی۔ سمرقند و بخارا کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کے بعد وہ کابل و قندھار تک آ پہنچا۔ بابر کی بہن اس کے گھر میں تھی، لیکن اس رشتہ داری کے باوجود اُس نے بابر کو کہیں جمنے نہ دیا۔ مرکزِ ایشیا میں بابر کی ناکامیوں نے اُسے کوہستان روّہ اور پھر ہندوستان کا راستہ دکھا دیا۔

شیبانی خان نے شاہ اسماعیل صفوی کے علاقوں پر دست درازی شروع کی۔ شاہ اسماعیل صفوی ایران کا اولوالعزم بادشاہ تھا۔ ان دونوں کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں۔ بالآخر شاہ اسماعیل صفوی نے ازبکوں کا استیصال کیا۔ شیبانی خان کے خاتمے کے بعد ان کے راستے میں کوئی کانٹا نہ رہا۔ شاہ اسماعیل صفوی نے مذہب اثنا عشری کی دعوت و تبلیغ کے لیے اپنے داعی کوہستان اور ہندوستان کی طرف بھیجنے شروع کیے۔ ''مذہب ناحق'' سے اس فرقہ کی اشاعت و تبلیغ کا سال برآمد ہوتا ہے جو ۹۰۶ھ بنتا ہے۔ ان دُعاۃ میں بہت سے لوگ کوہستان روہ کی طرف بھی آئے چنانچہ ریاست سوات اور باجوڑ کے حکمران شیعہ تھے۔ *تواریخ حافظ رحمت خانی* کے مولف نے انہیں گبری لکھا ہے۔ بابر نے کئی مرتبہ سوات اور باجوڑ کو تاراج کیا۔ اس نے اپنی مہمات کا ذکر *تزک بابری* میں خود کیا ہے۔

''باجوڑ کے قلعہ پر ہم نے ہلہ بول دیا۔ تقریباً تین ہزار لوگ قتل ہوئے، ان کا کلہ مینار بنوایا گیا، کیونکہ یہ لوگ دین اسلام کے برگشتہ تھے......''

دوسری مہم کے دوران وہ مردان کے قریب شہباز گڑھی آیا۔ یہاں شہباز قلندر کے مزار کو اجاڑ دیا، کیونکہ کہ شہباز قلندر بے دین اور ملحد تھا، یہ واقعات ۹۱۵ھ کے ہیں۔[۳۰]

حضرت اخوند درویزہ نے شہباز قلندر کے متعلق لکھا ہے کہ یہ شخص خراستان سے پشتونخواہ میں

وارد ہوا، یہ روافض کا مبلغ تھا، شہباز قلندر یہاں پر روافض کی ریاست قائم کروانا چاہتا تھا، مگر صوابی کے قریب ایک جنگ میں مارا گیا، اُس کے معتقدین نے اس کی لاش کو قلہ کوہ پر دفن کیا اور مزار کے سرہانے ایک علم آہنین نصب کیا''۔[۳۱]

بابر سنی العقیدہ ہونے کے باوجود ریاستی امور پر اہل تشیع سے مشاورت کیا کرتا تھا۔ خود اِس کی فوج میں شیعہ حضرات موجود تھے۔ بیرم خان بابر کی فوج میں بڑے عہدے پر فائز رہا تھا، اُس نے ہندوستان کا تاج اکبر کے سر پر سجایا تھا اور وہ ہمایوں کے قابل اعتماد وزراء میں شامل تھا۔

اعتزاز احسن نے اکبری عہد کو شیعہ سنی کے تناظر میں دیکھا ہے۔ جب دربار اکبری میں سُنّیوں کو غلبہ حاصل ہوا تو انہوں نے بیرم خان کے خلاف سازشیں شروع کیں۔ اکبر نے انہیں حج پر روانہ کیا مگر رستے میں وہ سُنّیوں کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا۔ یہ واقعہ ۱۵۵۸ء کا ہے۔[۳۲]

خود ہمایوں بادشاہ سفر ایران کے دوران اثنا عشری ہو گیا تھا۔ چنانچہ تخت ہند کو حاصل کرنے کے لیے وہ بے قرار تھا۔ ایران میں مسافرت کے دوران وہ بیگمات سے متعارف ہوا۔ شیعت کو گلے لگایا۔ شاہِ ایران نے پانچ ہزار کا لشکر دے کر، قندھار کی حوالگی کے لیے محضر تیار کروایا۔مقدس مقامات کی زیارت سے فارغ ہو کر وہ کابل و قندہار آیا۔ حسب وعدہ قندہار کو صفویوں کے حوالے کیا۔ اُس نے ہمیشہ شیعوں کا خیال رکھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے دربار میں ترکمانوں کو غلبہ حاصل رہا۔

''مُغل اُمراء ہمایوں بادشاہ سے نالاں تھے کیونکہ وہ شیعوں (ترکمانوں) کو مغلوں پر ترجیح دیتا تھا۔ بالآخر مغل ان سے الگ ہو گئے۔''[۳۳]

اکبر اعظم نے شیعوں، سُنّیوں، پارسیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کی رنجشوں اور فرقوں کو دیکھ کر ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی، یہ مذہب دربار تک محدود رہا۔ در اصل اکبر کا مطلب تمام مذاہب کے ماننے والوں کو یکجا کرنا تھا۔ اس کے پیش نظر سیاسی اغراض و مقاصد تھے۔ چونکہ اکبر کے زمانے میں مہدوی فرقہ اور روشنائی فرقہ کے ماننے والے پیدا ہوئے تھے، اس لیے اسے خیال گزرا کہ کیوں نہ کوئی سرکاری مذہب بنایا جائے، جس میں سب کو خوش رکھنے کا سامان موجود ہو، لیکن وہ بری طرح ناکام رہا۔ مُلا بدایُونی کی کتاب میں تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔

## چوتھا حصّہ

علاؤالدین خلجی کے زمانے سے دکن میں اسلامی ریاستیں قائم رہیں۔ محمود گاواں کے عہد میں ایک شخص مسمیٰ یوسف دکن میں وارد ہوا۔ پہلے تو وہ ترک غلاموں کا سردار رہا، بعد ازاں ترقی کرتے ہوئے بادشاہ کے مصاحبین میں شامل ہوا، رفتہ رفتہ احمد آباد کے تخت و تاج کے قریب پہنچا اور بالآخر عادل شاہی خاندان کا بانی ثابت ہوا۔ اس نے یوسف عادل شاہ کے نام سے ایک مضبوط حکومت قائم کی، جو صدیوں قائم رہی۔

## عادل شاہی ریاست

یوسف عادل شاہ دراصل ترکانِ عثمان کا شہزادہ تھا، جو اپنے بھائی محمد کی وجہ سے ایران بھاگ آیا۔ ایران اور پھر ہندوستان کا سفر اس نے خواجہ عماد کی رہنمائی میں کیا۔ خواجہ عماد مذہباً شیعہ تھا۔ اسی وجہ سے وہ اُردبیل میں شیخ صفی کے مزار پر حاضر ہوا مسافرت میں اس نے جو منت مانی تھی، وہ ادا کر کے سادہ یا(ساوہ) آیا خواجہ عماد سادہ کا رہنے والا تھا۔ اُس نے شہزادہ یوسف کی تعلیم و تربیت اپنے بچوں کی طرح کی۔ شہزادہ جوان ہوا، تو اُسے تاج وتخت کی آرزو ہونے لگی۔ خواجہ عماد نے اُسے ہندوستان کی طرف متوجہ کیا۔ وہ بحری راستے سے ہوتے ہوئے، مصطفیٰ آباد لوایل پہنچ گیا اور پھر محمد شاہ بہمنی کی طرف سے بیجاپور کا طرف دار بن گیا۔ محمد شاہ کی وفات کے بعد وہ ۸۹۶ھ میں خود مختار حکمران کی حیثیت سے اُبھرا۔[۳۴]

## شیعہ مذہب کی ترویج

بادشاہت کے درجے پر پہنچ کر یوسف عادل شاہ نے بارہ اماموں کے اسمائے گرامی خطبے میں داخل کر دیئے اور شیعہ مذہب کو رواج دیا۔ بعض اراکین سلطنت نے مخالفت کی لیکن وہ اپنے موقف پر ڈٹا رہا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں شاہ اسماعیل صفوی بارہ اماموں کے اسمائے گرامی خطبہ میں داخل کروا کر ، ملک میں شیعہ مذہب کو رواج دینے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کو جب اسماعیل صفوی کی خبریں پہنچیں تو وہ بہت خوش ہوا اور اسے نیک فال سمجھنے لگا۔ اذان میں ''علیاً ولی اللہ'' کا اضافہ کیا گیا۔ با ایں ہمہ، یوسف کے عہد میں امن رہا۔ علماء و مشائخ میں اتحاد و یکجہتی رہی۔[۳۵]

جب یوسف عادل شاہ نے شیعہ مذہب کو رواج دیا تو طبقہ امراء میں کچھ لوگ ایسے تھے، جن کو یہ

امر شاق گزرا۔ ان میں دلاور خان حبشی اور محمد خان سیستانی بھی شامل تھے، مگر بادشاہ نے انہیں بلوا کر کہا۔

''مذہب کا معاملہ ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے، جس شخص کا جو رجحان ہوتا ہے وہ وہی مذہب اختیار کرتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم لوگ ہمیں ہمارے مذہب پر رہنے دو اور تم خود اپنے مذہب کے دلدادہ و شیدا رہو، مذہب کو سیاسی مخالفت کی بنیاد نہ بناؤ'' ۳۶

لیکن جب ملک میں فتنہ برپا ہوا تو بادشاہ سخت پریشان ہوا۔ عمادی نے یوسف عادل شاہ کو مشورہ دیا کہ فی الحال آپ کی خیریت اسی امر میں ہے کہ آپ مذہب شیعہ سے تائب ہو جائیں کیونکہ سنی اتحاد کے سامنے آپ بے بس ہو جائیں گے۔ لہٰذا اُس نے شیعت ترک کر دی۔( اس طرح کے عمل کو شیعہ حضرات تقیہ سے تعبیر کرتے ہیں)۔جنگ و جدل کی وادی سے نکل کر جب وہ بیجاپور آیا تو دوبارہ شیعت کو فروغ دینے لگا۔۳۷

دریں اثناء یوسف عادل شاہ نے سید احمد ہروی کو شاہ اسماعیل صفوی کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ انہیں بیش بہا تحفے بھجوائے اور شیعہ مذہب کی ترویج پر مبارک باد دی، نیز اپنے شیعہ ہونے اور بیجا پور میں بارہ اماموں کے نام کا خطبہ جاری کرنے کی خوشخبری سنائی۔ جواباً شاہ اسماعیل صفوی نے یوسف عادل شاہ کو تحائف مع انگشتری بھجوائے۔

یوسف عادل شاہ نے ۸۱۶ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اسماعیل عادل شاہ شیعہ مذہب کے ساتھ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔

## نظام شاہیوں کا تشیع

برہان نظام شاہ نے ایک مرتبہ شاہ طاہر سے فقہ جعفریہ کے متعلق پوچھا۔ شاہ طاہر نے بارہ اماموں کے اسمائے گرامی مع ان کے مناقب کے بیان کیے۔ اس کے بعد برہان نظام شاہ نے خطبہ سے چار خلفاء کے ناموں کو خارج کرنا چاہا مگر شاہ طاہر نے منع کیا اور کہا: '' فوراً ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ پہلے فرقے کے علماء کو جمع کیا جائے۔ آپ ان سے یہ کہیے کہ میں حق مذہب کا طلب گار ہوں، تم سب آپس میں غور وفکر سے کوئی ایسا مذہب اختیار کرو تا کہ میں بھی اس کو اپناؤں''۔

علماء کے مابین مباحثے اور مناظرے ہونے لگے۔ برہان نظام زیادہ پڑھا لکھا آدمی نہیں تھا۔ پھر سنی علماء اور شیخ احمد نجفی کے درمیان مناظرے کا بازار گرم ہو گیا۔ شیخ احمد نجفی کی تائید و امداد کے

لیے شاہ طاہر موجود تھے۔ ان مناظروں میں جب سنی علماء اہل تشیع کے سامنے نہ ٹھہر سکے، تو اُس نے شیعت کو فروغ دینے کی ٹھان لی۔ خطبہ اہل بیت کرام کے ناموں کا پڑھا جانے لگا۔ اہل سنت ایک جماعت کی رہنمائی کرتے ہوئے بغاوت پر آمادہ ہوئے۔ مگر برہان نظام کے سامنے اِن کی ایک نہ چلی۔ گرفتار ہو کر بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے۔ بادشاہ نے شاہ طاہر کی سفارش پر اس کی جان بخشی کی۔ یوں احمد نگر میں شیعہ مذہب کے لیے ماحول سازگار بن گیا۔[۳۸]

## قطب شاہی ریاست

سلطان قلی ترک النسل تھا، اس کی پیدائش ہمدان (ایران) میں ہوئی تھی، وہ علم ریاضی میں مہارت رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ شاہی محلات کا حساب نویس مقرر ہوا۔ اسی زمانے میں تلنگانہ میں چوروں اور لٹیروں کی وجہ سے عام لوگوں کی زندگی دو بھر ہوئی تھی... سلطان قلی نے اس مہم کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔ سلطان محمد شاہ لشکری نے اُسے سپہ سالار بنا کر تلنگانہ کی مہم پر روانہ کیا۔ سلطان قلی نے نہ صرف اس علاقے میں امن و امان قائم کیا بلکہ گولکنڈہ کا انصرام و انتظام نہایت عمدہ طریقے سے کیا۔ یوسف عادل شاہ کی تقلید میں سلطان قلی نے بھی صفویہ خاندان سے رابطہ استوار کیا۔ جب سلطان محمود بہمنی کی ریاست زوال پذیر ہوئی تو سلطان قلی نے قطب شاہ کے خطاب سے اپنے آپ کو موسوم کر کے خود مختار حکومت قائم کی۔

چونکہ سلطان قلی قطب شاہ ایران کے بادشاہ، اسماعیل صفوی کو اپنا مرشد زادہ سمجھتا تھا، اس لیے اُس نے شاہ اسماعیل صفوی کا نام خطبے میں اپنے نام سے پہلے داخل کیا اور یوں ایک مستحکم شیعہ حکومت کی بنیاد رکھی۔ سلطان قلی قطب شاہ نے نہ صرف شیعہ مذہب کی ترویج کو اپنا وطیرہ بنایا، بلکہ تبرہ بازی کا آغاز بھی کروایا۔

قطب شاہی ریاست علم و ادب کا مرکز بن گئی۔ یہیں پر فارسی زبان کے علم و ادب کو فروغ ملا۔ نیز اردو ادب کی داغ بیل پڑی۔ اسی خاندان کے محمد علی قطب شاہ نے بھاگ متی سے عشق رچایا۔ اسی کے نام پر بھاگ نگر بسایا گیا، پھر بعد میں اس کا نام بدل کر حیدرآباد رکھا۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جب سے برصغیر پاک و ہند میں اسلام پھیلا ہے اس وقت سے تمام فرماں رواؤں کو ایرانی بادشاہوں کا قرب حاصل رہا، لیکن یہ اعزاز صرف محمد علی قطب شاہ ہی کے

حصے میں آیا کہ شاہ ایران ''عباس صفوی'' نے اپنے بیٹے کی شادی کا پیغام قطب شاہ کی بیٹی کے لیے دیا۔ محمد قطب شاہ نے اس پیغام کو باعث فخر سمجھا اور شادی کے انتظامات میں پوری طرح مشغول ہوا۔[۳۹]

نوٹ: دکنی ریاستوں کا یہ تمام احوال، ہم نے *تاریخ فرشتہ* سے لیا ہے۔ چونکہ مؤرخ فرشتہ خود دکن کا رہنے والا اور عادل شاہی حکومت کا ملازم تھا، لہٰذا اس کے ذرائع تاریخ مستند اور ثقہ سمجھنے کے قابل ہیں۔

## راسخ العقیدہ سُنیوں کا کردار

کوہستان روہ میں حضرت پیر بابا( سید علی ترمذی) ہمایوں بادشاہ کے فرار کے بعد وارد ہوئے۔ سید علی ترمذی کے والد کا نام قمر علی شاہ تھا۔ وہ ہمایوں کا درباری تھا، اُسے دربار سے نظر بہادر کا خطاب ملا تھا۔ تاہم سید علی ترمذی نے دنیوی امور سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ اِن کے دادا نے ان کی تربیت کی۔ ہمایوں کے فرار کے وقت وہ پنجاب میں زیر تعلیم تھے۔ قمر علی شاہ نے اپنے بیٹے سے گجرات میں ملاقات کی اور انہیں دو بدرہ اشرفی دے کر خود رخصت ہوا۔ اس کے بعد نظر بہادر قمر علی شاہ کا نہیں معلوم کیا حال ہوا۔ لگتا یوں ہے وہ ہمایوں بادشاہ کی معیت میں ایران گیا اور وہیں کہیں ان کا انتقال ہوا۔[۴۰]

سید علی ترمذی چند احباب کے اصرار پر وادی پشاور میں آ گئے۔ پشاور کے بعد وہ کوہستان بونیر میں وارد ہوئے، یہیں پر انہیں مشہور شاگرد اخوند درویزہ ملا۔ اخوند درویزہ سید علی ترمذی کا گرویدہ بن گیا۔ اس زمانہ میں وزیرستان میں پیر روشن نے اپنے عقیدے کی تبلیغ شروع کی۔ پیر روشن نے ایک کتاب مسمیٰ بہ *خیر البیان* لکھی۔ اس کے جواب میں اخوند درویزہ نے ''مخزن'' لکھی اور پیر روشن کو پیر تاریک سے موسوم کر دیا۔

پیر بابا اور اخوند درویزہ دونوں سنی العقیدہ مسلمان تھے۔ پیر روشن باطنیت کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ دونوں فریقین کے درمیان کئی مناظرے ہوئے۔ ان مناظرات کا احوال اخوند درویزہ نے اپنی کتاب *تذکرۃ الابرار والاشرار* میں تفصیل سے لکھا ہے، لیکن اخوند درویزہ کے لہجے میں زبردست کڑواہٹ پائی جاتی ہے۔ انہوں نے اپنے تمام مخالفین کو زندیق، لعین، مرتد اور کافر لکھا ہے۔ اخوند درویزہ تمام عمر روافض اور شیعہ مذہب مخالف رہے۔ بالآخر مغلوں کے زیر سایہ پشاور منتقل ہوئے، لمبی

عمر پا کر پشاور میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور یہیں پر مدفون ہوئے۔ اخوند درویزہ نے اورنگزیب عالمگیر کا زمانہ نہیں دیکھا، ورنہ وہ عالمگیر کی ریاست ہائے دکن کے جہاں میں ضرور شامل ہوتے۔

اورنگزیب عالمگیر نے اپنے بھائیوں پر رفض وکفر کے الزامات لگائے اور انہیں راہ عدم دکھائی۔ چنانچہ اس نے مراد بخش کو لکھا ''دارا کافر بت پرست برباد کنندہ اسلام ہے، شاہ شجاع متعصب شیعہ اور ہمارے مذہب کے خلاف ہے''۔[۴۱] حالانکہ اورنگزیب عالمگیر کے بڑے نامی گرامی سپہ سالار اہل تشیع میں سے تھے، مگر وہ ان کے مقصد برآری میں ممدومعاون تھے،اسی وجہ سے ان سے چشم پوشی کی گئی۔

اورنگزیب کو تاج وتخت دلانے میں میر جملہ کی خدمات کو فراموش نہیں کیاجا سکتا۔ میر جملہ دکن کی ریاستوں کے استیصال میں اس کے دست راست رہے۔ میر جملہ شیعہ مذہب سے متعلق تھے۔ اورنگزیب عالمگیر نے اس کے بعد اس کے بیٹے محمد آمین کو بھی صوبیدار بنائے رکھا۔ میر جملہ ہرقسم کے علوم وفنون سے آراستہ تھے۔ برادر کش لڑائی میں سپہ سالار مذکور نے بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ دارا، مراد بخش اور شاہ شجاع کو تباہ و برباد کرنے میں میر جملہ کا بڑا ہاتھ رہا۔ اورنگزیب عالمگیر ہمیشہ اس کا ممنون احسان رہا اور اس کے مذہب سے کوئی تعرض نہ کیا۔

# حوالہ جات


۱- عبداللہ، *عہد نبوی کا ہندوستان*، (کراچی، مکتبہ اسلامی، بنوری ٹاؤن)، سن ندارد، ص۱۵۱۔

۲- *ایضاً*، ص۱۶۔

۳- عزیز احمد صدیقی، *تحفہ بابل ونینوا*، اشاعت دوم، (کراچی، مکتبہ جاء الحق)، ۱۹۷۴ء، ص۱۳۲۔

۴- *ایضاً*، ص ص۵۵-۵۷۔

۵- *ایضاً*، ص۵۷۔

۶- *ایضاً*۔

۷- محمد بن داؤد ھوتک، *پٹہ خزانہ*، (قندہار چاپ، ۱۹۹۳ء)، ص ص۶۸-۷۰۔

۸- عزیز احمد صدیقی، *تحفہ بابل ونینوا*، اشاعت دوم، (کراچی، مکتبہ جاء الحق، ۱۹۷۴ء)، ص۵۷۔

۹- عبدالحلیم اثر، *روحانی رابطہ پشتو*، جلد اول، (باجوڑ، دارالاشاعت، ۱۹۴۵ء)، ص ۵۷۔

۱۰- Aitzaz Ahsan, *The Indus Saga*, (Islamabad, Army Press, 2008), p. 98.

۱۱- درویزہ اخوند، *تذکرۃ الابرار والاشرار*، (پشاور، ادارہ اشاعت سرحد، سن ندارد)، ص۱۱۔

۱۲- *ایضاً*، ص۱۲۔

۱۳- *ایضاً*، ص۱۱۳۔

۱۴- *ایضاً*، ص۱۶۱۔

۱۵- سعید احمد خان اکبر آبادی،*مسلمانوں کا عروج و زوال*، (لاہور و کراچی،ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۳ء)، ص ۲۳۷۔
۱۶- خان روشن،*تواریخ حافظ رحمت خانی مع حواشی*، (پشاور، پشتو اکیڈیمی) ،۱۹۷۷ء،ص۱۵۹،۱۵۹۔
۱۷- *ایضاً*،ص ص ۱۵۹-۱۷۱۔
۱۸- درویزہ اخوند،*تذکرۃ الابرار والاشرار*،حوالہ سابقہ، ص۲۶۔
۱۹- محمد قاسم فرشتہ(مترجم) جلد اول،(لاہور،المیزان ناشران کتب، ۲۰۰۴ء)، ص۶۴۔
۲۰- *ایضاً*،ص۶۸۔
۲۱- سعید احمد اکبر آبادی،*مسلمانوں کا عروج و زوال*، حوالہ سابقہ،ص۲۳۱۔
۲۲- محمد قاسم،حوالہ سابقہ،ص۸۸۔
۲۳- *ایضاً*،ص۷۵۔
۲۴- *ایضاً*،ص۹۴۔
۲۵- *ایضاً*،ص۱۷۲۔
۲۶- پروفیسر شیرانی ، *مقالات شیرانی*، جلد۵،لاہور،ص۴۶۱۔
۲۷- محمد قاسم فرشتہ، حوالہ سابقہ،ص۱۳۹۔
۲۸- درویزہ اخوند،*تذکرۃ الابرار و الاشرار*، حوالہ سابقہ، ص۳۔
۲۹- محمد قاسم فرشتہ،حوالہ سابقہ، ص۲۵۰-۲۷۷۔
۳۰- ظہیر الدین بابر (مترجم) نصیر حیدر(*بابر نامہ*) (لاہور،الفیصل ناشران، ۲۰۰۶ء)، ص ص ۲۷۰-۲۷۷۔
۳۱- درویزہ اخوند، *تذکرۃ الابرار*(فارسی)، حوالہ سابقہ،ص ص۱۶۰-۱۶۱۔
۳۲- اعتزاز احسن بحوالہ سابقہ،۲۰۰۸ء،ص۱۱۸۔
۳۳- ڈاکٹر حسین خان،*Sher Shah Suri*،(لاہور،فیروز سنز، سن ندارد)، ص ص۱۲۹-۱۳۰۔
۳۴- محمد قاسم فرشتہ،*تاریخ فرشتہ*(ترجمہ)، عبدالحئی خواجہ، ڈاکٹر عبدالرحمان،جلد سوئم (لاہور، المیزان ناشران کتب، ۲۰۰۴ء)، ص ص ۳۰-۳۳۔
۳۵- *ایضاً*،ص۴۶۔
۳۶- *ایضاً*،ص ۴۷۔
۳۷- *ایضاً*،ص ص ۴۸-۴۹۔
۳۸- *ایضاً*، ص ص ۱۹۲-۱۹۴۔
۳۹- *ایضاً*، ۳۴۱-۳۵۴۔
۴۰- درویزہ اخوند،*تذکرۃ الابرار والاشرار*(فارسی)، حوالہ سابقہ، ص ص۱۲- ۱۶۔
۴۱- منوچی سیاح(اطالوی)، *قصانہ سلطنت مغلیہ*(ترجمہ اردو) سید مظفر علی خان، (لاہور، تخلیقات اردو، ۲۰۰۰ء)، ص۲۲۱۔